کامیابی کے تین گُر

(فرمودہ ۲۶۔ دسمبر ۱۹۳۰ء)

تشہّد' تعوّذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد فرمایا:

اسلام کی ہر ایک بات ہی دوسرے مذاہب سے نرالی ہے اور زندگی کے ہر شعبہ کے متعلق جو احکام اسلام نے دیئے ہیں وہ دیگر مذاہب سے اسے ممتاز کر کے دکھاتے ہیں۔ یہی ہمارا اجتماع یعنی جمعہ کا دن ہے اسے ہی دیکھ لو۔ جمعہ بھی دراصل جمع ہی سے نکلا ہے اور یہ درحقیقت علامت اور نشان ہے اس بات کا کہ اللہ تعالیٰ دنیا کو اس آخری زمانہ میں ایک دین پر جمع کرنا چاہتا ہے یہی وجہ ہے کہ قرآن کریم میں اِس نماز کا خصوصیت کے ساتھ حکم ہے یعنی جس وقت جمعہ کے لئے آواز دی جائے فوراً دوڑ پڑیں اور ذکر کے لئے جمع ہو جائیں۔ اس کا مطلب یہی ہے کہ یہ ایک علامت اور نشان تمہارے لئے مقرر کیا گیا ہے اور اس کی عظمت تمہارے دلوں میں خدا تعالیٰ قائم کرنا چاہتا ہے تا اس کام کے پورا کرنے کے لئے جب آواز بلند ہو کسی وسوسہ یا دیر یا سُستی یا وقت ضائع کئے بغیر دوڑ پڑو۔ پس جمعہ میں جو کچھ ہوتا ہے وہ اسلامی تبلیغ کا ایک نظارہ ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ کن سامانوں سے دنیا کو جمع کیا جا سکتا ہے۔ اگر دیکھا جائے تو جمعہ تین چیزوں سے بنتا ہے یعنی تین چیزیں جمعہ میں ہوتی ہیں۔ پہلی لوگوں کا اجتماع یعنی لوگ اکٹھے ہوں تمام شہر بلکہ ملحقہ دیہات کے مسلمان بھی ایک مسجد میں جمع ہو جائیں گویا پہلا ذریعہ جو ترقی کا بتایا ہے وہ یہ ہے کہ پراگندگی اختیار نہ کریں بلکہ سب ایک جگہ جمع ہوں۔ جس طرح قیامت کے دن جب صُور پھونکا جائے گا تو سب جمع ہو جائیں گے اسی طرح جمعہ بھی روحانی قیامت کی علامت ہے اور اس

کے لئے بھی فَاسْعَوْا فرمایا یعنی دوڑ پڑو اور ایسا نہ ہو کہ پیچھے رہ جاؤ اور دوسرے آگے بڑھ جائیں۔ تو ترقی کا ایک ذریعہ گویا یہ بتایا کہ سارے مسلمان جتھے کی صورت میں رہیں اور اس کے بنانے میں جلدی سے کام لیں کسی قسم کا وسوسہ ان کے قلوب میں پیدا نہ ہو۔ یہاں مَیں ضمناً ان لوگوں کے خیال کی تردید بھی کر دیتا ہوں جو کہتے ہیں کہ جب مان لیا تو پھر بیعت کی کیا ضرورت ہے۔ انہیں یاد رکھنا چاہئے کہ یہاں یہ کیوں نہ فرمادیا کہ جب جمعہ کے لئے پُکارا جائے تو گھر پر ہی نماز پڑھ لیا کرو۔ فَاسْعَوْا اِلٰی ذِکْرِ اللّٰہِ [1] کیوں فرمایا تو مان لینا ہی کافی نہیں بلکہ یہ حکم ہے کہ جہاں دوسرے مسلمان جاتے ہیں وہاں دوڑ کر جاؤ۔ پس یہ خیال کہ مان لینے کے بعد بیعت کی کیا ضرورت ہے شیطانی وسوسہ ہے۔ پھر دوسری چیز ترقی کے لئے یہ ہے کہ جمعہ میں اذان ہوتی ہے پھر ایک خطبہ ہوتا ہے اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ دوسرا طریق ترقی کا تبلیغ ہے۔ یعنی اگر اجتماع چاہتے ہو تو دو طرح سے تبلیغ کرو ایک اذان یعنی باہر کے لوگوں کو تبلیغ۔ اور دوسرے خطبہ یعنی گھر والوں کی تعلیم۔ دیکھو کس طرح اذان کے مختصر الفاظ میں ہی وہ سارے مسائل جمع کر دیئے ہیں جن کی طرف اسلام بُلاتا ہے۔ توحید، رسالت، کامیابی کے لئے کوشش اور پھر آخر میں خدا تعالیٰ سے اتحاد کی تلقین۔ تو توحید سے لیکر اللہ تعالیٰ کے ساتھ اتصال تک کی تمام باتوں کو ایک جگہ جمع کر دیا ہے اور یہی اسلام کا مقصد ہے۔

تیسری چیز یہ ہے کہ پھر دعا کریں اور یہ دو رکعت نماز سے جو جمعہ کے دن پڑھتے ہیں ظاہر ہے یعنی اللہ تعالیٰ پر توکّل کریں اور اُس کی مدد تلاش کریں۔ یہ تین باتیں اگر جمع ہو جائیں تو یہ ذریعہ کامیابی کا ہے ان کے علاوہ کسی اور ذریعہ سے کامیابی محال ہے۔

رسول کریم ﷺ مکہ میں سخت مظالم کے ماتحت رہے۔ بعض لوگ کہہ دیا کرتے ہیں کہ جب انسان مظلوم ہو تو اس کے لئے سوائے اس کے چارہ ہی کیا ہوسکتا ہے کہ وہ ڈنڈا لیکر کھڑا ہو جائے۔ مگر رسول کریم ﷺ انہی حالات میں سے گزرے اگر تو آپ کی زندگی پھولوں کی سیج پر گزرتی تو مصائب میں پڑنے والے کہہ سکتے تھے کہ ہمارے لئے کیا نمونہ ہے آپ کی زندگی آرام والوں کے لئے نمونہ ہوسکتی ہے۔ مگر خدا تعالیٰ نے آپ کو ہر قسم کے دکھوں اور مصائب میں سے گزارا۔ آپ نے حکومت، ہمسائے، دوستوں، رشتہ داروں کے دکھ اُٹھائے، آپ کی جائداد بھی ضبط کر لی گئی حتیٰ کہ آپ جب مکہ میں آئے تو لوگوں نے پوچھا یا رسول اللہ آپ کہاں ٹھہریں گے

آپ نے فرمایا ہمارے گھروں میں سے تو ایک مکان بھی لوگوں نے نہیں چھوڑا۔[۲] مگر آپ نے یہ سب کچھ برداشت کر کے بتا دیا کہ انسان کے اخلاق کیسے ہونے چاہئیں اور اس نمونہ کے بعد ہمارے لئے اور کیا چیز باقی رہ جاتی ہے۔

اِس زمانہ میں ہر شخص کے دل میں کامیابی کا خیال ہے اور اسی طرح ہم میں بھی ہے۔ ہماری قوم بھی اپنے ملک کو اسی طرح معزز دیکھنا چاہتی ہے جس طرح اور لوگ۔ اور ہمیں تو ایک منٹ کے لئے بھی یہ خیال نہیں آ سکتا کہ گاندھی' نہرو وغیرہ ہم سے زیادہ آزادی وطن کے دلدادہ ہیں بلکہ مجھ میں تو یہ خواہش اتنی شدید ہے اور میں کئی دفعہ اِس خیال کا اظہار بھی کر چکا ہوں کہ اگر میں احمدی نہ ہوتا تو شاید میں سیاسی لحاظ سے بالکل ایکسٹریمسٹ ہوتا کیونکہ فطری طور پر آزادی اور حُریّت کا جذبہ میرے اندر بہت شدّت کے ساتھ موجود ہے۔ لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ دنیا کی ہر چیز حد بندیوں کے نیچے ہے اور اگر ان کی پابندی نہ کریں تو عدل و انصاف باقی نہیں رہ سکتا۔ آزادی اپنی ذات میں کوئی چیز نہیں ہم اس لئے آزادی کو پسند کرتے ہیں کہ اچھے عملوں کی توفیق مل سکے۔ اِس وقت انصاف انگریزوں کے ہاتھ میں ہے وہی قانون بناتے ہیں جن سے عدل و انصاف کا منشاء پورا ہوتا ہے پھر ملک کے مصیبت زدہ لوگوں سے ہمدردی بھی حکومت ہی کرتی ہے۔ اور ہمارے اندر آزادی کی جو خواہش ہے وہ اسی وجہ سے ہے کہ ان نیک کاموں میں ہمارا بھی دخل ہے اور یہ ثواب اور نیک نامی حاصل کرنے کا ہمیں بھی موقع مل سکے۔ پس جو لوگ آزادی کے لئے کوشش کرتے ہیں وہ لفظِ آزادی کے لئے نہیں بلکہ نیکی کیلئے اس کی خواہش کرتے ہیں وہ چاہتے ہیں ملک کی تجارت' عزت اور علوم کو بڑھانے میں ہمارا بھی دخل ہو۔ اب سب کچھ انگریزوں کے ہاتھ میں ہے مگر قدرتی طور پر ہمارا دل چاہتا ہے کہ ہم بھی کریں۔ اس کی مثال ایسی ہی ہے کہ کسی نے ہزار روپیہ صدقہ کے لئے رکھا ہؤا ہو اور اس کا ہمسایہ اُسے اُٹھا کر لوگوں میں بانٹ دے اس پر وہ اس سے ضرور لڑے گا کہ تم نے کیوں بانٹ دیا اور وہ یہ نہیں کہہ سکتا کہ آخر تم نے بھی تو بانٹنا ہی تھا۔ اس جواب سے وہ کبھی خوش نہیں ہو سکتا کیونکہ وہ کہے گا کہ روپیہ چونکہ میرا تھا اس لئے میرے ہی ہاتھ سے تقسیم بھی ہونا چاہئے تھا۔ اس کے متعلق مجھے ایک لطیفہ یاد آ گیا ایک بڑا افسر اور ایک اس کا ماتحت ایک دفعہ ڈپٹی کمشنر سے ملنے گئے بڑے کے پاس ایک ٹوکری میں تحفہ وغیرہ تھا جب اندر جانے لگے تو ماتحت نے کہا لائیے یہ

میں اٹھالیتا ہوں اور اندر جا کر صاحب کے سامنے رکھ دی۔ اس نے سمجھا یہی لایا ہے اور وہ تمام وقت اسی سے باتیں کرتا رہا۔ بڑا افسر باہر نکل کر اس سے لڑنے لگا۔ چھوٹے نے کہا آپ میرے افسر تھے میں آپ کو کیوں اُٹھانے دیتا مگر اُس کا منشاء یہ تھا کہ چونکہ قیمت میں نے خرچ کی تھی اِس لئے میرے ہی ہاتھ سے پیش ہونا ضروری تھا۔ تو اپنے ہاتھ سے نیکی کے کام کرنے سے انسان کو زیادہ ثواب حاصل ہوتا ہے اسی لئے اسلام نے دو قسم کے صدقے رکھے ہیں۔ ایک لوگ براہِ راست کرتے ہیں اور دوسرے حکومت کے ذریعہ سے تقسیم ہوتے ہیں تا ہر جگہ پہنچ جائیں اور دینے والے کو ثواب بھی ملے۔ ایک شخص اگر افریقہ کے کسی مصیبت زدہ کیلئے چار آنے دینا چاہے تو یہ اس کے لئے مشکل ہے کیونکہ وہ بھیج نہیں سکتا مگر حکومت کے ذریعہ یہ وہاں بھی پہنچ سکتا ہے۔ تو شریعت نے ایک صدقہ حکومت کی معرفت رکھا ہے تا انسان بھی رَبُّ الْعٰلَمِیْنَ کی صفت اپنے اندر پیدا کرنے کی کوشش کرے اور سب کو فائدہ پہنچائے۔ تو یہی خواہشات ہیں جن کے ماتحت ہر مسلمان کے دل میں یہ بات ہے کہ اس کا ملک آزاد ہو تا حکومت کے ذریعہ بہتری کے کاموں میں وہ خود حصہ لے سکے لیکن ساتھ ہی اسلام کا یہ حکم بھی ہے کہ ہر کام صحیح اور درست ذریعہ کے ساتھ ہو۔ غلط طریق سے اچھے سے اچھا کام بھی خدا تعالیٰ کو پسند نہیں۔ نادانی سے بعض لوگ اچھی چیز کو بُرا بنا لیتے ہیں اور بعض عقل سے بُری کو بھی اچھا کر لیتے ہیں۔ سنکھیا زہر ہے مگر ڈاکٹر لوگ اس سے کئی لوگوں کی جانیں بچا لیتے ہیں اور پلاؤ کتنا اچھا ہے مگر کوئی اگر اتنا کھا جائے کہ ہیضہ ہو جائے تو یہی اس کے لئے ہلاکت کا موجب ہو سکتا ہے۔ اسلام ہرگز اجازت نہیں دیتا کہ ان ذرائع سے جن کے نتیجہ میں اخلاق تباہ ہوں، بُزدلی پیدا ہو، ٹھگی، فریب اور دروغگوئی وغیرہ سے کام لینا پڑے ان سے کوئی عمدہ اور اعلیٰ کام بھی کیا جائے۔ مگر افسوس ہے کہ آج کل بعض لوگ ناجائز طریقوں سے ہندوستان کو آزاد کرانا چاہتے ہیں حالانکہ اس طرح سے حاصل کردہ آزادی غلامی سے بھی بدتر ہے کیونکہ ایسا کرنے سے ملک کے اخلاق تباہ ہوتے ہیں۔ یہ بات کسی مذہب میں بھی جائز نہیں کہ راہ چلتے بے گناہ لوگوں پر حملے کئے جائیں۔ اگر بالفرض یہ تسلیم کر لیا جائے کہ انگریز افسروں کا مارنا جائز ہے تو اندھا دھند پستول بازی سے جو دوسرے لوگ مارے جاتے ہیں یہ تو بہر حال ناجائز ہی ماننا پڑے گا۔ مثلاً یہی حملہ ہے جو حال ہی میں گورنر پنجاب پر کیا گیا ہے اور جس کے متعلق آپ لوگوں نے آج

ایک ریزولیوشن پاس کیا ہے۔ گورنر صاحب تو بچ گئے لیکن ایک ہندوستانی مارا گیا اس سے زیادہ بُرا اور بزدلی کا فعل کیا ہو سکتا ہے کہ ایک شخص پر اچانک حملہ کر دیا جائے بہادر کا کام ہے کہ مقابلہ کرے۔ ہجوم میں کھڑے ہو کر گولی چلانے کے یہ معنے ہیں کہ دوسرا تو اس خیال سے کہ بے گناہ زخمی نہ ہو جائیں مجھ پر حملہ نہیں کرے گا اور میں جسے چاہوں مار سکتا ہوں۔ تو گویا ایسا شخص زبانِ حال سے انگریزوں کی شرافت اور اپنی کمینگی کا اقرار کرتا ہے اور اس سے وہ اپنی قوم کی بھی ہتک کرتا ہے اس کے معنی یہ ہیں کہ میں اتنا کمینہ ہوں کہ ایک ایسی جگہ جہاں اور بے گناہ لوگوں کو بھی گولی لگ جانے کا امکان ہے بے تحاشا گولی چلا سکتا ہوں مگر انگریز اس خیال سے کہ کسی اور کو نہ لگ جائے ہجوم میں مجھ پر فائر نہیں کریں گے اور اس سے زیادہ کوئی شخص اپنی قوم کی ذلّت اور کیا کر سکتا ہے۔ اسلام کی تعلیم کے مطابق حضرت رسول کریم ﷺ کبھی بے گناہ لوگوں پر حملہ نہ کرتے تھے بلکہ بعض دفعہ صحابہ کہتے کہ اب دشمن غافل ہے یا سویا ہوا ہے حملہ کر دیا جائے تو آپ فرماتے نہیں ٹھہرو صبح اذان دیں گے اور پھر حملہ کریں گے مگر ہندوستانی ان دنوں بے گناہ لوگوں پر گولی چلا کر اپنی قوم کی توہین کر رہے ہیں۔ پھر یہ کس قدر بے حیائی ہے کہ عورتوں کو آگے کر دیتے ہیں اور آپ پیچھے رہتے ہیں گویا خود اقرار کرتے ہیں کہ ہم تو ایسے ذلیل ہیں کہ عورتوں کے پیچھے چُھپتے ہیں مگر ہمارا دشمن ایسا شریف ہے کہ وہ عورتوں پر حملہ نہیں کرے گا۔

غرضیکہ یہ تمام افعال ناشائستہ ہیں اور چونکہ ہماری جماعت کا فرض ہے کہ اخلاق کو دنیا میں قائم کرے اس لئے اس حالت کو تبدیل کرنے کی کوشش کرنا ہمارا فرض ہے۔ ممکن ہے کہ بعض لوگ ایسے بھی ہوں جو کہہ دیں کہ یہ لوگ اپنے ملک کی خیر خواہی کر رہے ہیں ہمیں انہیں بُرا کہنے کی کیا ضرورت ہے مگر یہ خیر خواہی ویسی ہی ہے جیسے ایک قصہ حضرت مسیح موعودؑ سنایا کرتے تھے کہ کسی شخص کی ریچھ کے ساتھ دوستی تھی اور جس طرح لوگ کرتے اور دوسرے جانوروں کو سِدھا لیتے ہیں اُس نے اِسے سِدھایا ہوا تھا۔ اس شخص کی ماں سو رہی تھی اور ریچھ بیٹھا اس کی مکھیاں اُڑا رہا تھا ایک مکھی بار بار آ کر بیٹھتی تھی جسے وہ بار بار اُڑانے سے تنگ آ گیا آخر اُس نے ایک پتھر اُٹھا کر مارا جس سے ماں بھی مر گئی۔ پس یہ خیر خواہی بھی اس ریچھ کی خیر خواہی سے مشابہ ہے۔ اگر حکومت کے حصول کے لئے ضمیر کو تباہ کر لیا جائے تو آئندہ نسل چوروں، ڈاکوؤں اور فریبیوں کی پیدا ہو گی اور ایسے لوگوں کو اب کس نے قید کر رکھا ہے یہ تو اب بھی آزاد ہی ہیں جسے چاہیں مار

دیں اور لُوٹ لیں۔ مادر پدر آزاد کوکوئی قید نہیں۔ قید تو اسی صورت میں ہے کہ انسان شرافت کے اصول کو تسلیم کرے اور اگر ایسی آزادی حاصل ہو جو آئندہ نسل کو جھوٹا، فریبی اور بُزدل بنائے تو اس کی کیا قیمت ہو سکتی ہے اور اس اصول کو تسلیم کر لینے سے کبھی امن نہیں ہو سکتا۔

ظلم کا خیال تو لوگوں میں ہر وقت پایا جاتا ہے حتّٰی کہ رسول کریمؐ نے ایک موقع پر مال تقسیم کیا تو ایک شخص نے کہہ دیا کہ اِس تقسیم میں اللہ تعالیٰ کی رضاء مدنظر نہیں رکھی گئی اور انصاف سے کام نہیں لیا گیا۔ اس پر رسول کریمؐ نے فرمایا اگر میں انصاف نہیں کرتا تو اور کون کرے گا۔[۳] اگر چہ اُس شخص کا یہ خیال غلط تھا مگر اُس نے کہہ تو دیا اور اُس کے دل میں بھی یقیناً یہی ہوگا غرض ایسی شکایات ہمیشہ پیدا ہوتی رہتی ہیں۔ فرض کرو ہندوستانیوں کی اپنی حکومت قائم ہو جائے تو اس سے بھی کئی ایک کو اختلاف پیدا ہوگا اور اگر یہ اصول تسلیم کر لیا جائے تو خواہ گاندھی، نہرو، وغیرہ کوئی بھی حکمران ہو اُس کے خلاف کئی لوگوں کا ہونا یقینی ہے اور اس طرح وہ انہیں علیحدہ کرنے کی کوشش کریں گے اور ہندوستان میں امن و امان کسی صورت میں بھی قائم نہ ہو سکے گا بلکہ ہمیشہ خونریزی جاری رہے گی۔ مگر شریف آدمی بلا وجہ تو درکنار لڑائی میں بھی دوسرے کو مارنے سے گریز کرتا ہے۔ ایک جنگ کے موقع پر ایک کافر نے رسول کریم ﷺ سے جنگ کرنے کی خواہش کی دوسرے صحابہ اس کے مقابل پر نکلے مگر آپ نے فرمایا: نہیں اسے میرے سامنے ہی آنے دو۔ اس نے آپ کی جان لینے کی انتہائی کوشش کی وہ ایک مشہور جرنیل تھا مگر آپ کو کوئی گزند نہ پہنچا سکا اس پر بھی آپ نے اسے مارا نہیں بلکہ صرف نیزہ کی اَنی اس کی گردن میں چبھو دی جس سے وہ چیخنے لگا۔ اور کہتا تھا یوں معلوم ہوتا ہے میرے اندر آگ لگی ہوئی ہے۔[۴] تو رسول کریم ﷺ نے ایسے شدید معاند کو بھی جان سے نہیں مارا۔ بلکہ صرف زخمی کر کے چھوڑ دیا۔ حالانکہ میدان جنگ میں مخالف کو قتل کرنا شرافت اور انسانیت کی رو سے مارنا جائز سمجھا گیا ہے۔

شریف آدمی کسی خاص مجبوری کے سوا یوں کُھلے بندوں کسی کو مارنے سے ہمیشہ گریز کرتے ہیں۔ ان لوگوں کے متعلق جو ایسے جرائم کے مرتکب ہوتے ہیں جن کی سزا قتل ہے اور پھر وہ گرفتار نہیں ہوتے بعض دفعہ حکومت بھی اعلان کر دیتی ہے کہ جہاں ملیں مار دو۔ رسول کریم ﷺ کے زمانہ میں بھی ایسی مثالیں ملتی ہیں یہ اور چیز ہے۔ لیکن بغیر کسی جُرم کے حکومت کی اجازت اور

با قاعدہ مقدمہ چلائے بغیر اور بغیر اس کے کہ اپنے آپ کو حکومت حاصل ہو یوں کسی کو جان سے مار دینا اور چُھپ چُھپ کر گولیاں اور بم وغیرہ چلانا نہایت ہی غیر شریفانہ فعل ہے۔ اس طرح بعض جگہ ایسا بھی ہوا ہے کہ وہ انگریز افسر جس پر حملہ کیا گیا وہ تو بچ گیا مگر دوسرا کوئی ہندوستانی مارا گیا۔ اسی واقعہ میں دیکھ لو گورنر تو بچ گیا مگر چانن سنگھ غریب مارا گیا اور یہ ایسی اخلاق سے گری ہوئی حرکات ہیں کہ ہماری جماعت کو پورے زور کے ساتھ ان کا مقابلہ کرنا چاہئے۔ یہ مت سمجھو کہ ہم یہ کس طرح کر سکتے ہیں۔ آخر یہ جتنی سازشیں ہوتی ہیں ہمارے اردگرد ہی ہوتی ہیں۔ کوئی لاہور میں ہوتی ہے' کوئی جہلم اور سیالکوٹ میں اور کوئی دوسرے اور شہروں میں۔ اگر ہر جگہ کے آدمی اپنے کان کُھلے رکھیں تو وہ بہت کچھ معلوم کر سکتے ہیں۔ ہمارا اخلاقی فرض ہے کہ اِس وباء کو ہندوستان سے نکال دیں ورنہ یہ حرکات ایک ایسے باب کو کھول دیں گی جس سے روحانیت کا مقصد فوت ہو جائے گا۔ یہاں ایک سوال ہو سکتا ہے کہ پھر آزادی کس طرح حاصل ہو اس کا جواب یہ ہے کہ کیا محمد رسول اللہ ﷺ نے بغیر قانون شکنی اور ایسے اخلاق سوز افعال کے ارتکاب کے آزادی حاصل نہ کی تھی۔ کیا کفارِ مکہ انگریزوں سے کم ظالم تھے انہوں نے تو قسمیں کھا رکھی تھیں کہ مسلمانوں کے ہاتھ عام اشیائے خوردنی بھی فروخت نہیں کریں گے مگر انگریزوں نے تو کوئی ایسی حرکت نہیں کی بلکہ اُلٹا ہندوستانیوں کی طرف سے ان کا بائیکاٹ کیا جاتا ہے اور وہ اس پر بھی کوئی گرفت براہ راست نہیں کرتے۔ اگر ایسی ترغیبات کی وجہ سے کسی کو گرفتار کرنا ہوتا ہے تو اس کے لئے بھی کوئی نہ کوئی قانون کی آڑ ضرور لے لیتے ہیں۔ تو ایسے ظالموں کی حکومت کے ماتحت رسول کریم ﷺ رہے اور ان کے انتہائی مظالم کو نہایت استقلال سے برداشت کیا پھر خدا تعالیٰ نے خود ہی ایسے سامان پیدا کر دیئے کہ انہیں آزادی مل گئی۔ یہی انگریز ایک زمانہ میں اٹلی کے ماتحت تھے اور بظاہر آزادی کی کوئی صورت نہ تھی مگر اٹلی میں بغاوت ہوگئی اور تمام فوجیں وغیرہ وہاں سے لے جانی پڑیں اور انہوں نے اس ملک کو بالکل چھوڑ دیا بلکہ انگریز کہتے بھی رہے کہ ہمیں کیوں چھوڑ گئے مگر انہوں نے اس طرف کوئی توجہ نہ کی۔ پس اگر ہم اللہ تعالیٰ کو خوش کر لیں تو وہ خود بخود آزادی کے سامان پیدا کر سکتا ہے خدا کے اختیار میں سب کچھ ہے اور وہ سب کچھ کر سکتا ہے مگر یہ شرط ہے کہ ہم اس کے فضلوں کو جذب کرنے والے ہوں دوسروں کے دلوں کو وہ خود بخود ہی موم کر دے گا ڈاکٹر کلارک والے مقدمہ کے موقع پر گورداسپور میں ایک

ایسا شخص ڈپٹی کمشنر تھا جو جب یہاں آیا تو اس نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے متعلق کہا تھا کہ اسے سزا کیوں نہیں دی جاتی مگر جب پادریوں کی طرف سے آپ پر قتل کا مقدمہ کھڑا کیا گیا تو مسٹر ڈگلس کے ساتھ کام کرنے والے شخص نے سنایا کہ وہ جب گورداسپور سے اس مقدمہ کی تاریخ دیکر بٹالہ میں آیا تو سخت گھبرایا ہوا تھا میں نے اسے کہا صاحب ویٹنگ روم میں کرسیاں وغیرہ موجود ہیں آپ اندر آ کر بیٹھیں وہ بیٹھا مگر پھر باہر نکل آیا۔ میں نے دریافت کیا کہ کیا تکلیف ہے تو اس نے کہا مجھے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ میں مرنے لگا ہوں اُس کا رنگ زرد ہو رہا تھا۔ جس شخص نے یہ واقعہ سنایا وہ احمدی نہیں۔ اُس نے پھر دریافت کیا تو مسٹر ڈگلس نے کہا جہاں تک قانونی نکات کا تعلق ہے مرزا صاحب پر جُرم ثابت ہے لیکن جس وقت سے وہ میرے سامنے پیش ہوئے ہیں میں جس طرف منہ کرتا ہوں وہ سامنے نظر آتے ہیں اور کہتے ہیں میں مُجرم نہیں اور یہ حالت ایسی شدت سے مجھ پر وارد ہوگئی ہے کہ محسوس ہوتا ہے میں مر جاؤں گا یا مجھے جنون ہو جائے گا۔ اس شخص نے سنایا میں نے اسے کہا اندر بیٹھ کر مشورہ کرتے ہیں اور کپتان پولیس کو وہاں بلا لیا اور اس سے ساری کیفیت بیان کی۔ اُس نے کہا اقراری ملزم کو پادریوں سے لیکر میرے حوالہ کر دو پھر میں اس سے سب کچھ معلوم کرلوں گا چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔ سپرنٹنڈنٹ نے جب اس سے پوچھا کہ کیا واقعہ ہے تو پہلے تو اُس نے کہا کہ یہی سچی بات ہے جو میں کہتا ہوں مگر جب زیادہ اصرار سے پوچھا گیا تو وہ پاؤں پر گر گیا اور اُس نے کہا مجھے ڈر لگتا ہے اگر میں نے اصلیت بیان کر تو پادری مجھے ماردیں گے۔ سپرنٹنڈنٹ نے اسے کہا نہیں اب میں تمہیں پادریوں کے پاس ہرگز نہ جانے دوں گا۔ پھر اُس نے بتایا کہ میں نے ایک چیز مشن سے چُرائی تھی اس پر پادریوں نے مجھے کہا کہ یا تو جو کچھ ہم کہتے ہیں اس طرح کرو وگرنہ قید کرادیا جائے گا اِس وجہ سے میں نے ڈر کر جھوٹ بول دیا ہے۔ مسٹر ڈگلس اب تک یہ واقعہ سنایا کرتے ہیں وہ بعد میں چیف کمشنر ہو گئے اور ولایت میں مجھ سے ملنے بھی آئے تھے اور خود اس واقعہ کا انہوں نے ذکر کیا بلکہ کہا کہ ایک دفعہ ہوشیارپور کے ڈپٹی کمشنر مجھے یہاں ملے اور کہا۔ کہ تم پچیّس چھبیّس سال ہندوستان میں رہے ہو وہاں کا کوئی واقعہ سناؤ میں نے یہی واقعہ ان سے بیان کیا۔

پس اللہ تعالیٰ جب کسی کام میں دخل دیتا ہے تو بندے اس کے منشاء کو پورا ہونے سے نہیں روک سکتے۔ اس کا بم انسانوں کے بموں سے بہت زیادہ خطرناک ہوتا ہے۔ دیکھو انفلوئنزا کی

وباء شروع ہوئی تو ایک مہینہ کے اندر اندر دو کروڑ انسان مر گئے۔ پانچ سال کی خوفناک جنگ میں اس تعداد سے جو اس وباء سے ہلاک ہوگئی ہندوستان کے لوگوں کی ۱/۴ تعداد بھی ہلاک نہ ہوئی تھی بلکہ زخمی بھی نہ ہوئی تھی۔ تو اگر اللہ تعالیٰ پر توکل کیا جائے تو وہ خود مدد کرتا ہے۔ مگر ناجائز ذرائع کا استعمال خود اپنے ہاتھوں اپنی ناک کاٹنے کے مترادف ہے ''پرائے شگون میں اپنی ناک کٹانا'' اسی کو کہتے ہیں۔ اگر ایک طرف ایک انگریز مر جائے اور دوسری طرف ہماری قوم کے اخلاق تباہ ہوں تو بتاؤ کون نقصان میں رہا؟ کیا انگریز اس سے ڈر جائیں گے؟ وہ سارے صرف دو لاکھ کی تعداد میں یہاں حکومت کر رہے ہیں اور اس رفتار سے کئی ہزار سال میں ایک لاکھ کی باری آئے گی پھر کیا یہ خیال کیا جاتا ہے کہ وہ ہر سال چند ایک آدمی بھی مہیا نہیں کر سکتے۔ یہ جاہلانہ خیال ہے چند آدمیوں کے قتل ہونے سے کون ڈر سکتا ہے۔ ایک انگریز افسر مر جاتا ہے تو اس نے آخر ایک دن مرنا ہی تھا مگر اس کی موت ہماری قومی روح کو کچل دے گی۔ پس جماعت کو چاہئے کہ جذبہ حُبُّ الْوَطَنِی اور خیر خواہی کی رو سے بھی اور امن قائم رکھنے کے خیال کے ماتحت بھی ایسے لوگوں کو سمجھائیں اور اگر پتہ لگ جائے تو انہیں اس تباہی سے بچانے کی کوشش کریں۔ آخر وہ بھی ہمارے بھائی ہیں اور اگر باز نہ آئیں تو ان کا مقابلہ کیا جائے کیونکہ اگر ہمارا ملکی بھائی تباہ ہوتا ہے تو ہر طریق سے اسے بچانا ہمارا فرض ہے ہمسایہ کے گھر کو اگر آگ لگے تو ہمیں بھی اس سے نقصان کا احتمال ہے۔

پس جذبہ حُبُّ الْوَطَنِی کے لحاظ سے بھی ہمارا فرض ہے کہ اس صورت کو بدلنے کی کوشش کریں۔ یہ قطعاً خیال نہیں کرنا چاہئے کہ ہمیں کیا اِس سے انگریزوں کا نقصان کم ہے اور ہمارا زیادہ بلکہ سب سے زیادہ نقصان ہمارا ہی ہے کیونکہ ہمارے سوا کوئی اور قوم مذہب کو قائم کرنے کے لئے کھڑی نہیں ہوئی۔ اور جتنا انسانیت کو نقصان پہنچے گا اتنا ہی ہمارے لئے زیادہ مشکلات پیدا ہوں گی۔

ہمیں دعائیں بھی کرنی چاہئیں اور اگر علم ہو تو پورے طور پر ایسے لوگوں کو سمجھانا بھی چاہئے کہ بداخلاقی کا خیال چھوڑ دو۔ اللہ تعالیٰ ان بھائیوں کو سمجھ عطا کرے کہ وہ خدا کی مرضی کے مطابق چل سکیں اور اخلاق کو تباہ کرنے والے نہ ہوں۔ ہندوستان کو آزادی تو حاصل ہو کر ہی رہے گی کیونکہ خدا تعالیٰ کے نبی جب آتے ہیں تو وہ برکت ساتھ لاتے ہیں مگر جلد بازی سے ہمیں

اخلاق کو بگاڑ نا نہ چاہئے۔

(الفضل یکم جنوری ۱۹۳۱ء)

---

۱ الجمعة: ۱۰

۲ بخاری کتاب المغازی باب این رکز النبی صلی الله علیه وسلم الرأیة یوم الفتح

۳ تاریخ الامم و الملوک لابی جعفر محمد بن جریر الطبری جلد۳ صفحہ ۳۳۲ مطبوعہ بیروت ۱۹۸۷ء

۴ سیرت ابن ھشام (عربی) جلد۳ صفحہ ۲۰ زیرعنوان ''مقتل ابی بن خلف'' مطبوعہ دار التوفیقیة ازھر